زندگی میں جائیداد کی تقسیم

(چند اہم باتیں)

افادات:

فقیہ العصر، حضرت اقدس مولانا

مفتی محمود اشرف عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

(مفتی ونائب شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی)

ضبط وترتیب:

محمود اشرف جوہر

فاضل ومتخصص فی الافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

مدرس جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا

03006057663 | mahmoodashrafjohar@yahoo.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

زندگی میں جائیداد کی تقسیم

سیدی وسندی استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صاحب کے استفسار پر زندگی میں جائیداد کی تقسیم اور اولاد کو کوئی چیز ھبہ (گفٹ) کرنے کے حوالے سے چند اہم اور مفید باتیں ارشاد فرمائی تھیں، لیکن یہ افادت چونکہ صوتی شکل میں تھے تحریر میں نہیں تھے لہذا راقم نے افادیت کے پیشِ نظر انھیں قلمبند کرلیا ہے اور بعض مفید حواشی اور حوالہ جات بھی لگادیے ہیں تاکہ تحریر کی افادیت دوچند ہو جائے۔——— مرتب: محمود اشرف جوہر

الحمدلله ربّ العالمين والعاقبة للمتقين، والصلوة والسلام على سيدنا وشفيعنا ومولانا محمد، وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

پہلی بات:

ہر انسان اپنی زندگی میں اپنی تمام جائز چیزوں کا خود مالک ہوتا ہے۔ اس پر کچھ حقوق تو عائد ہوتے ہیں کہ وہ بیوی کا، بچوں کا، ملازموں کا، پڑوسیوں کا یا اور جن کے حقوق ہیں وہ حقوق ادا کرے، لیکن کوئی بھی آدمی اس کے مالی اثاثوں کے اندر شرکت یا مالی اثاثوں کے اندر میراث کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اور ہر آدمی اپنی زندگی میں جب تک اس کا سانس چل رہا ہے، چاہے وہ بسترِ مرگ پر ہی کیوں نہ ہو، اپنے تمام اثاثوں کا خود مالک ہے۔[1] نہ بیوی کا اس میں کوئی حق ہے، نہ بچوں کا اس میں کوئی حق ہے۔ البتہ جب آدمی کا انتقال ہو جاتا ہے تو پھر اس کے بعد اس کی یہ چھوڑی ہوئی جتنی بھی چیزیں ہیں، جنھیں ترکہ کہتے ہیں، ان میں شریعت کے احکام کے مطابق میراث تقسیم ہوتی ہے۔

اسی لیے کوئی بھی رشتے دار، چاہے بیوی ہو، چاہے بیٹے ہوں، چاہے بیٹی ہو، وہ آپ سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتا/ نہیں کر سکتی کہ تم اپنی زندگی میں مجھے میرا حصہ دے دو؛ کیونکہ اس کا کوئی حصہ ہی نہیں ہے،[2] بلکہ جو کچھ ہے وہ آپ کی اپنی ذاتی ملکیت میں ہے، جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے، آپ اس کی مکمل حفاظت کریں اور آپ حفاظت کرنے پر قادر ہیں، (اپنے مال وجائیداد کی طرف) ہر بڑھنے والے ہاتھ کو آپ روک سکتے ہیں۔[3]

حواشی وحوالہ جات

[1] ففي مجلة الأحكام العدلية (ص: ٢٣٠)، الناشر: نور محمد، كارخانه تجارتِ كتب، آرام باغ، كراتشي:
كل يتصرف في ملكه كيفما شاء.

[2] ففي اللباب في شرح الكتاب (٢/ ٢١٧)، الناشر: المكتبة العلمية، بيروت – لبنان:
ومن شرط الإرث تحقق موت الموروث وحياة الوارث.

[3] الموسوعة الفقهية الكويتية (١١/ ٢٢٨)، الطبعة الثانية، دارالسلاسل – الكويت:
لأنه ليس لأحد أن يتصرف في ملك غيره إلا بإذنه

یہ تو پہلی بات ہے۔

دوسری بات:

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے عام معاملات میں عدل وانصاف کا حکم دیا ہے، چنانچہ اگر کسی کی دو بیویاں ہوں یا تین بیویاں ہوں، تو اس کے لیے حکم ہے کہ وہ تینوں بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کرے۔[4]

اسی طرح اگر بیٹے ہیں، بیٹیاں ہیں، تو ان کے درمیان انصاف کرے۔ خاص طور پر تحفے میں اور لین دین میں۔ فرض کیجیے! کہ اگر کسی آدمی کے دو بیٹے ہیں یا تین بیٹے ہیں، اور وہ ہیں بھی دو بیویوں میں سے، تو اس کے لیے یہ انصاف کے خلاف ہو گا کہ وہ ایک بیوی کی اولاد کو تو نوازتا رہے اور دوسری بیوی کی اولاد کو وہ تحفے نہ دے۔[5]

اس سے متعلق حدیث ہے۔ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ[6] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میں نے اپنے ایک بیٹے کو، ایک روایت کے مطابق، غلام دینے کا ارادہ کیا اور میری بیوی نے کہا

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

[4] **سنن الترمذي ت شاكر (٣/ ٤٣٩)، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي – مصر، الطبعة: الثانية، ١٣٩٥ هـ – ١٩٧٥ م:**

عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «إذا كان عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط»

[5] واضح رہے کہ عام حالات میں یہی حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو کوئی تحفہ دے رہا ہو یا نواز رہا ہو تو بقیہ اولاد کو محروم نہ رکھے بلکہ انھیں بھی کچھ نہ کچھ دے تاکہ کسی کے دل میں بھی احساسِ محرومی یا کدورت پیدا نہ ہو۔ تاہم اگر کسی وجۂ شرعی کی بنا پر کوئی شخص اپنی اولاد میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دے دے تو اس کی بھی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاد کو ھبہ (تحفہ) دینے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ: "تفریق اور ترجیح بلا وجۂ شرعی گناہ ہے یعنی اگر ایک کو نقصان پہونچانا مقصود ہو اور دوسرے کو نفع پہونچانا مقصود ہو اور کوئی وجۂ شرعی اس نفع اور نقصان کی نہ ہو تو ایسا کرنا گناہ ہے، تاہم ایسا کرنے سے ھبہ صحیح ہو جائے گا، یعنی جس کو کم ملا ہے اس کو شرعاً حق نہیں کہ وہ زیادہ والے سے ھبہ کرے۔ اور اگر کوئی وجہ شرعی ہے مثلاً: جس کو زیادہ دیتا ہے وہ صالح اور دین دار ہے اور اسی وجہ سے اس کو زیادہ دیتا ہے اور جس کو کم دیتا ہے وہ بد چلن اور غیر متدیّن ہے اور اسی وجہ سے اس کو کم دیتا ہے تو ایسا کرنا گناہ نہیں بلکہ جائز ہے، حتی کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ میری اولاد تمام مال جائیداد کو خدا کی نافرمانی میں صرف کر دے گی تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کے واسطے کچھ نہ چھوڑے، بلکہ اپنا مال تمام مصارفِ خیر میں صرف کر دے۔۔۔الی آخرہ" (فتاویٰ محمودیہ، کتاب الھبہ، جلد: ۱۶، صفحہ: ۴۹۹، زیرِ نگرانی: دار الافتاء، جامعہ فاروقیہ کراچی) وكذا في الفتاوى الهندية (٤/ ٣٩١)، الناشر: دار الفكر، الطبعة: الثانية، ١٣١٠ هـ. (از: مرتب عفا اللہ تعالیٰ عنہ)

[6] استاذِ محترم مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل صوتی افادات میں یہ روایت حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے بیان کی گئی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی نے کہا تھا کہ تم اپنے بیٹے کو کچھ ھبہ

کہ میرے اس بیٹے کو تم غلام دے دو۔اور ایک روایت کے مطابق گھوڑے کا ذکر ہے۔ بہر حال کوئی قیمتی چیز تھی جو حضرت بشیر رضی اللہ عنہ اپنے اس بیٹے کو دینا چاہتے تھے۔ تو ان کی بیوی نے کہا: ایسا کرو کہ یہ جو تم میرے بیٹے کو میرے کہنے پر کچھ دے رہے ہو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنا دو۔ چنانچہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میں نے اپنے فلاں بیٹے کو یہ قیمتی چیز دی ہے اور میری بیوی نے کہا ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر گواہ بنا دو، تو آپ اس پر گواہ بن جایئے! تا کہ معاملہ پکا ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **إني لاأشهد على جور؛** میں ظلم کے اوپر گواہ نہیں بنتا۔اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روایت میں یہ بھی فرمایا کہ: کیا تم نے اپنے باقی بچوں کو بھی اس طرح کے تحفے دیئے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ: نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ تو ناانصافی ہے۔اور یہ بھی ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سارے بیٹے تمہارے ساتھ حسنِ سلوک کریں اور سب تمہاری خدمت کریں؟ انھوں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! میں یہ پسند کرتا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: پھر تم ان سب کو یہی تحفے دو جو تم ایک کو دے رہے ہو۔[7]

﴿حواشی و حوالہ جات﴾

کرو۔ لیکن راقم نے جب حضرت استاذِ محترم رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ صوتی افادات کو تحریری صورت میں قلمبند کیا اور حوالہ لگانے کی غرض سے کتبِ حدیث (صحیح مسلم وغیرہ) کی مراجعت کی تو معلوم ہوا کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی نے نہیں بلکہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی (عَمرہ بنت رَواحہ رضی اللہ عنہا، جو کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں) نے کہا تھا کہ تم میرے بیٹے (بعض روایات کے مطابق وہ بیٹے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہی تھے) کو کچھ ھبہ کرو۔ بہر حال راقم نے اصل تحریر میں نام کی تصحیح کر دی ہے۔(از: مرتب عفا اللہ تعالیٰ عنہ)

[7] **انظر: باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، صحيح مسلم (٣/ ١٢٤١)، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت.**

وفي مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (٥/ ٢٠٠٨)، الناشر: دار الفكر، بيروت – لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤٢٢هـ - ٢٠٠٢م:

٣٠١٩ - وعن النعمان بن بشير، «أن أباه أتى به إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما فقال: أكل ولدك نحلت مثله؟ قال: لا، قال: فأرجعه» . وفي رواية أنه قال: «أيسرك أن يكونوا إليك في البر سواء؟ قال: بلى، قال: فلا إذا» ، وفي رواية: أنه قال: «أعطاني أبي عطية فقالت عمرة بنت رواحة: لا أرضى حتى يشهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فأتى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقال: إني أعطيت ابني من عمرة بنت رواحة عطية فأمرتني أن أشهدك يا رسول الله، قال: أعطيت سائر ولدك مثل

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

هذا؟ قال: لا، قال: فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم. قال: فرجع فرد عطيته» . وفي رواية أنه قال: «لا أشهد على جور» . متفق عليه.

(وفي الشرح): (ابني هذا غلاما) أي: عبدا قال في النهاية: النحل العطية والهبة ابتداء من غير عوض ولا استحقاق (فقال: أكل ولدك) : بنصب كل (نحلت مثله) أي: مثل هذا الولد **دل على استحباب التسوية بين الذكور والإناث في العطية** (قال: لا، قال: فأرجعه) أي: الغلام أو رده إليك، وقال ابن الملك: أي استرد الغلام وهذا للإرشاد والتنبيه على الأولى (وفي رواية) أي: لهما أو لأحدهما (أنه قال: أيسرك) أي: أيعجبك ويجعلك مسرورا (أن يكونوا) أي: أولادك جميعا (إليك في البر سواء) أي: مستوين في الإحسان إليك وفي ترك العقوق عليك وفي الأدب والحرمة والتعظيم لديك، (قال: بلى، قال: فلا) أي: فلا تعط أي: الغلام له وحده أو فلا تعط بعضهم أكثر من بعض (إذا) : بالتنوين أي: إذا كنت تريد ذلك (وفي رواية أنه قال) أي: النعمان (أعطاني أبي عطية فقالت عمرة بنت رواحة) : بفتح أولهما وهي أمه (لا أرضى) أي: بهذه العطية لولدي (حتى يشهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم -) أي: تجعله شاهدا على القضية (فأتى رسول الله - صلى الله عليه وسلم -) أي: فجاءه أبي («قال: إني أعطيت ابني من عمرة بنت رواحة عطية فأمرتني أن أشهدك يا رسول الله، قال: أعطيت سائر ولدك مثل هذا») أي: باقي أولادك مثل هذا الإعطاء وهو بحذف الاستفهام مع أنه يمكن أن يقرأ بهمزة ممدودة (قال: لا، قال: فاتقوا الله) أي: حق تقواه أي: ما استطعتم (واعدلوا بين أولادكم) : وفي خطاب العام إشارة إلى عموم الحكم (قال) : فانصرف أبي من عنده - عليه الصلاة والسلام - (فرد عطيته) أي: إلى نفسه أو فرجع في هبته، وقوله: فرد تفسير له وفيه جواز رجوع الوالد في هبة ولده (وفي رواية: أنه) أي: النبي - صلى الله عليه وسلم - (قال: «لا أشهد على جور») أي: ظلم أو ميل فمن لا يجوز التفضيل بين الأولاد يفسره بالأول ومن يجوزه على الكراهة يفسره بالثاني، **قال النووي**: " **فيه استحباب التسوية بين الأولاد في الهبة فلا يفضل بعضهم على بعض سواء كانوا ذكورا أو إناثا،** قال بعض أصحابنا: ينبغي أن يكون للذكر مثل حظ الأنثيين، والصحيح الأول لظاهر الحديث فلو وهب بعضهم دون بعض فمذهب الشافعي، ومالك، وأبي حنيفة - رحمهم الله تعالى - أنه مكروه وليس بحرام والهبة صحيحة، وقال أحمد والثوري وإسحاق - رحمهم الله - وغيرهم: هو حرام، واحتجوا بقوله: «لا أشهد على جور» ، وبقوله: واعدلوا بين أولادكم، واحتج الأولون بما جاء في رواية: فأشهد على هذا غيري، ولو كان حراما وباطلا لما قال هذا، وبقوله: فأرجعه، ولو لم يكن نافذا لما احتاج إلى الرجوع، فإن قيل: قاله تهديدا، قلنا: الأصل خلافه، ويحمل عند الإطلاق صيغة أفعل على الوجوب أو الندب وإن تعذر ذلك فعلى الإباحة، وأما معنى الجور فليس فيه أنه حرام لأنه هو الميل عن الاستواء وكل ما خرج عن الاعتدال فهو جور، سواء كان حراما أو مكروها. **وفي شرح السنة: في الحديث استحباب التسوية بين الأولاد في النحل، وفي غيرها من أنواع البر حتى في القبلة، ولو فعل خلاف ذلك نفذ**......إلى آخره

چنانچہ یہ تحفہ جو آدمی دیتا ہے تین بیویوں میں سے ایک بیوی کو یا بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو، اس میں بھی شریعت نے ہمیں انصاف کا حکم دیا ہے، بلکہ اس میں لڑکے اور لڑکی کا بھی کوئی فرق نہیں ہے، مثلاً آپ نے ایک لڑکے کو دس ہزار روپے دیئے تو آخر لڑکی نے کیا قصور کیا!؟ بلکہ لڑکی جو ہے وہ تو زیادہ مستحق ہے، کیونکہ لڑکا تو پھر بھی کما لیتا ہے اور کما لے گا لیکن لڑکیاں تو نہیں کما پاتیں، اس لیے شریعت یہ کہتی ہے کہ: **الذکر والأنثٰی سواء،**[8] چنانچہ ھبہ کے اندر لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہوں گے، لڑکے کو اگر آپ نے دس ہزار روپے دیئے ہیں تو لڑکی کو بھی دس ہزار روپے دیں، تاکہ انصاف پر عمل ہو سکے۔ بہر حال شریعت نے ہمیں انصاف کا حکم دیا ہے۔

اگلی بات یہ ہے کہ یہ حکم (جو اوپر بیان ہوا) ھبہ اور تحفوں کے اندر ہے کہ جب آدمی اپنی زندگی کے میں کوئی تحفہ دینا چاہتا ہے (تو بہتر یہ ہے کہ) سب کو برابر دے۔

(مثال کے طور پر) آپ کے پاس بڑی رقم آگئی تو آپ نے سوچا کہ اللہ نے مجھے بڑی رقم دی ہے سو ایسا کرتا ہوں کہ اس میں سے کچھ اپنے بیوی بچوں کو بھی دے دیتا ہوں، تو آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ سب کو برابر دے دیں، دس دس ہزار دے دیں، پانچ پانچ ہزار دے دیں، تاکہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ دوسرے کو زیادہ ملا اور مجھے کم ملا۔[9] یہ بات ختم ہو گئی اور یہ ہے ھبہ کے اندر۔

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

[8] **ففي سنن الترمذي ت بشار (٣/ ٤٢)، الناشر: دار الغرب الإسلامي – بيروت، سنة النشر: ١٩٩٨م:**

عن الزهري، عن حميد بن عبد الرحمن، وعن محمد بن النعمان بن بشير، يحدثان، عن النعمان بن بشير، أن أباه نحل ابنا له غلاما، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم يشهده، فقال: أكل ولدك نحلته مثل ما نحلت هذا؟، قال: لا، قال: فاردده.

هذا حديث حسن صحيح. وقد روي من غير وجه، عن النعمان بن بشير, والعمل على هذا عند بعض أهل العلم يستحبون التسوية بين الولد، حتى قال بعضهم: يسوي بين ولده حتى في القبلة، **وقال بعضهم: يسوي بين ولده في النحل والعطية، يعني الذكر والأنثى سواء،** وهو قول سفيان الثوري، وقال بعضهم: التسوية بين الولد أن يعطى الذكر مثل حظ الأنثيين مثل قسمة الميراث، وهو قول أحمد، وإسحاق.

[9] **ففي بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٦/ ١٢٧)، الناشر: دار الكتب العلمية، الطبعة: الثانية، ١٤٠٦هـ – ١٩٨٦م:**

وينبغي للرجل أن يعدل بين أولاده في النحلى لقوله سبحانه وتعالى {إن الله يأمر بالعدل والإحسان} [النحل: ٩٠] .

(وأما) كيفية العدل بينهم فقد قال أبو يوسف العدل في ذلك أن يسوي بينهم في العطية ولا يفضل الذكر على الأنثى وقال محمد العدل بينهم أن يعطيهم على سبيل الترتيب في المواريث

تیسری بات:

تیسری بات یہ ہے کہ بعض اوقات ھبہ مقصود نہیں ہوتا، یعنی تحفہ دینا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ آدمی بوڑھا ہو چکا ہوتا ہے، اب وہ یہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ جناب میری اولاد کے دلوں میں وہ وُسعت نہیں ہے جو ہونی چاہیے، اور اس کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ اگر میں نے اسی طریقے سے یہ مال چھوڑا تو یہ آپس میں لڑیں گے تو وہ زندگی ہی میں میراث کے طریقے پر تقسیم کرتا ہے، تو اس میں ھبہ کے احکام اگرچہ جاری ہوتے ہیں یعنی وہ بھی ایک طرح کا ھبہ ہی ہے؛ کیونکہ میراث تو ابھی بنی نہیں،[10] ابھی اس شخص کا انتقال تو ہوا ہی نہیں، سانس تو نکلا ہی نہیں، ابھی تو یہ آدمی زندہ ہے، چنانچہ یہ جس کو جو کچھ بھی دے گا ھبہ ہی ہوگا، لیکن یہ آدمی کا اپنی جائیداد کو تقسیم کرنا ھبہ کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ وہ میراث کے طریقے کے مطابق اپنی جائیداد کو تقسیم کرنا چاہتا ہے، کہ جب میں مر جاؤں گا تو میرے بیٹے کو دو حصے ملیں گے، میری بیٹی کو (بیٹے سے آدھا) حصہ ملے گا اور میری بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا تو وہ اپنی زندگی ہی میں ان کو وہ حصے دے کر فارغ کر دیتا ہے اور تھوڑا بہت اپنی ملکیت میں رکھ لیتا ہے تاکہ میں دوسروں کا دستِ نگر نہ رہوں اور دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ایک ھبہ ہوتا ہے جبکہ ھبہ ہی مقصود ہو، اور دوسری صورت ھبہ کی وہ ہوتی ہے جس میں ھبہ یا تحفہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ آنے والی میراث کو نمٹانا مقصود ہوتا ہے، تاکہ بیوی بچوں میں آپس میں لڑائی جھگڑے نہ ہوں، تو اس میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر میراث کی تقسیم کے مطابق تقسیم کی جائے کہ بیوی کو آٹھواں حصہ دیا جائے، لڑکے کو دُگنا دیا جائے، لڑکی کو اکہرا حصہ دیا جائے، تو بالکل جائز ہے۔[11] بات ختم ہو گئی۔

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

للذكر مثل حظ الأنثيين.......وهذا إشارة إلى العدل بين الأولاد في النحلة وهو التسوية بينهم ولأن في التسوية تأليف القلوب والتفضيل يورث الوحشة بينهم فكانت التسوية أولى ولو نحل بعضا وحرم بعضا جاز من طريق الحكم لأنه تصرف في خالص ملكه لا حق لأحد فيه...إلى آخره

[10] **وفي حاشية ابن عابدين – الفكر (٦/ ٧٥٩)، الناشر: مكتبة الثقافة الدينية – القاهرة.، عام النشر: ١٤١٩ هـ- – ١٩٩٩ م.:**

لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال كما في شروح السراجية

[11] **ففي تكملة فتح الملهم (72/2):**

قال العبد الضعيف عفا الله عنه: قد ثبت بما ذكرنا أن مذهب الجمهور في التسوية بين الذكر والأنثىٰ في حالة الحياة أقوىٰ وأرجح من حيث الدليل، ولكن ربما يخطر بالبال أن

چوتھی بات:

اب اگلی بات یہ ہے کہ آدمی کو اپنی زندگی میں یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے؟ یعنی آدمی کو اپنی زندگی میں اپنے مال، جائیداد اور ترکہ کو تقسیم کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے؟ تو شریعت نہ یہ کہتی ہے کہ تقسیم کرو اور نہ یہ کہتی ہے کہ تقسیم نہ کرو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ مالک ہیں اور مالک کو اختیار ہوتا ہے۔ اللہ نے یہ چیزیں آپ کی ملکیت میں دی ہیں تو آپ کو اختیار ہے۔ آپ ہیں آپ کے پاس کئی طرح کی نعمتیں ہیں، آپ کہتے ہیں کہ نہیں میں کسی کو نہیں دوں گا، اپنی زندگی میں اپنے پاس رکھوں گا، تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن آپ محسوس کر رہے ہیں کہ اب میں کمزور ہو گیا ہوں، اب میں تقسیم کر دوں تو بہتر ہے، تو اس میں بھی ہمارے بزرگ یہ فرماتے ہیں کہ اس میں شرعی حکم تو کوئی نہیں ہے کہ تقسیم کرو یا نہ کرو، لیکن اپنی سیف سائڈ کرنا تو ضروری ہے، سیف سائڈ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایسا نہ کریں کہ سارا مال و جائیداد اپنی اولاد کو دے دیں اور خود جناب سڑک پر آجائیں، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بعد میں وہ آپ کو گھر سے بھی نکال دے گی۔ اور آج کل تو ماں باپ کی جو خدمت کی جاتی ہے وہ اکثر اوقات پیسے کی وجہ سے کی جاتی ہے، چنانچہ جب وہ دیکھیں گے کہ اباجی کے پاس تو پیسے ہی نہیں رہے، سارا پیسہ ہمارے پاس ہی آگیا ہے، تو وہ خدمت کرنا بھی چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرنی چاہیے، یہ بھی غلط ہے، اور یہ کہنا کہ زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم نہیں کرنی چاہیے، یہ بھی غلط ہے، بلکہ ہر آدمی اپنے حالات کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب بھی وہ فیصلہ کرے تو اس بات کا خیال رکھے کہ اس کی اپنی جو حیثیت ہے وہ متاثر نہ ہو اور وہ اپنے بیوی بچوں کے سامنے کہیں ہاتھ پھیلانے والا نہ بن جائے۔ (12)

﴿حواشی و حوالہ جات﴾

هذا فيما قصد فيه الأب العطية والصلة، **وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده في حياته، لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته**، فإنه وإن كان هذا في الاصطلاح الفقهي، ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت، **وحينئذ ينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث**، فلو قسم رجل في مثل هذه الصورة للذكر مثل حظ الأنثيين، على قول الإمام أحمد، ومحمد بن الحسن رحمهما الله، فالظاهر أن ذلك يسع له، ولم أر ذلك صريحافي كلام الفقهاء

(12) واضح رہے کہ کسی شخص کا اپنی زندگی میں بیوی بچوں کو اپنے مال و جائیداد میں سے حصہ دینا شرعی لحاظ سے چونکہ ھبہ (گفٹ) ہے، لہذا جس کو جو کچھ دینا ہو باقاعدہ مالک و قابض بنا کر دینا ضروری ہے، اسی طرح جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اور وہ ایک سے زائد افراد کو ھبہ کرنے کی صورت میں سب کو تقسیم کر کے دینا اور ہر ایک کو اس کے حصے پر مالکانہ قبضہ دینا بھی ضروری ہے۔ لہذا صرف زبانی کہہ دینے یا عملی قبضہ دیئے بغیر مشترکہ شکل میں دینے سے یا صرف کاغذات میں نام کر دینے سے ھبہ کا عمل مکمل (درست) نہیں ہو گا۔ كذا في الشامية والهندية وغيرهما (از: مرتب عفا اللہ تعالیٰ عنہ)

اپنے صوتی پیغام کے آخر میں استاذِ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار کرنے والے صاحب سے فرمایا: یہ میں نے کچھ تفصیل آپ کے سامنے بیان کردی ہے۔اب اگر مزید اس میں کوئی سوالات پیدا ہوتے ہیں تو آپ مجھے ہر سوال علیحدہ علیحدہ لکھ دیجیے گا۔ میں کوشش کروں گا کہ اس کا جواب آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔والسلام علیکم ورحمة الله وبركاته